حق تعالیٰ تک پہنچنے کا آسان ترین راستہ

مولانا محمد شعیب احمد
کراچی

طرقِ وصول الی اللہ

صوفیاء کا مشہور قول ہے کہ: ''اَلطُّرُقُ اِلَی اللہِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ ''یعنی حق تعالیٰ تک پہنچنے کے اتنے ہی راستے ہیں جتنے مخلوق کے سانس، لیکن ہر ایک کی تلاش کا منتہا اور طلب کی غایت ایک ایسا راستہ ہوتا ہے، جو ''اقرب''(Nearest) بھی ہو، ''اسہل''(Easiest) بھی ہو اور ''اسلم''(Safest) بھی!

کیا کوئی ایسا راستہ واقعتاً موجود ہو سکتا بھی ہے یا نہیں؟ یا یہ محض ایک خیالِ خام و ناپختہ ہے یا ایک حسیں خواب ہے! کیا مجاہداتِ شاقّہ کے بغیر بھی کوئی آسان ترین طریق سے حق تعالیٰ کو پا سکتا ہے؟ کیا ایسا اس دور میں بھی ممکن ہے؟ حق تعالیٰ تک پہنچنے کا ایک ایسا طریق یقیناً موجود ہے جو ''اقرب'' بھی ہے، ''اسہل'' بھی اور ''اسلم'' بھی!

یہ تین ایسی خصوصیات (Qualifications) ہیں کہ ہر ایک طالبِ منزل جن چیزوں کا شعوری یا لاشعوری طور پر طالب ہوتا ہے، وہ یہی تین ہیں!

دنیوی قاعدے قوانین تو یہی ہیں کہ جو شے جتنی عظیم ہوگی، اس کے حصول میں اسی قدر دقتوں، تکلیفوں اور مشقتوں کا سامنا ہوگا، لیکن حق تعالیٰ کی کرم نوازی دیکھیے کہ اپنے قرب و رضا و خوشنودی جیسے سب سے عظیم ترین مقصد کے حصول کے لیے ایسے آسان ترین راستوں کی جانب نسلِ انسانی کی راہنمائی فرماتے رہے اور فرماتے چلے جا رہے ہیں کہ اقویاء بھی منزل یاب ہو رہے ہیں اور ضعفاء بھی!

فخر الدین عراقیؒ کی آسان راستے کی طلب

فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے اقرب و اسہل راستے کی خواہش و طلب کا اظہار فرما رہے ہیں کہ:

صنما! رہِ قلندر سَزد ار بمَن نُمائی

کہ دَراز و دُور دِیدم رَہ و رسمِ پارسائی

اے شیخ! مجھے قلندری کا راستہ دکھائیے، کیونکہ یہ پارسائی کا راستہ دور بھی ہے اور طویل بھی۔''

''رہِ پارسائی'' کو دراز پاکر اور دور دیکھ کر ''پارسائی'' کے اس طول وطویل راستے کے بجائے ''قلندری'' کے قصر وقصیر راستے کی طلب اور خواہش جیسے عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، کس طالبِ مولیٰ کے سینے میں یہ ہُوک نہیں اُٹھتی؟! کس سالک کی یہ حسرت وتمنا نہیں ہے؟! ایسا ہی ایک قریب ترین اور آسان ترین راستہ موجود ہے جو ہر ایک رہروِ طریق کی رسائی میں بھی ہے اور اس پر چلنا ہمت وطاقت میں بھی!

''اقرب''، ''اسہل''، ''اسلم'' ہونے کی دلیل

ایک ایسا ہی اقرب واسہل واسلم طریق طریقِ اعترافِ ذنوب، اعترافِ خطا وقصور ہے۔ اس راہ سے بہتوں نے حق تعالیٰ کو پایا اور بہت سے اب بھی پا رہے ہیں اور آج بھی بہتوں کو اس طریقہ سے یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔

''اقرب'' اس لیے کہ ذنب تو انسان کے ساتھ ایسا لگا ہوا ہے کہ ہر وقت ہی ذنوب کا صدور ہو رہا ہے، خطائیں اور قصور ہو رہے ہیں، ہوتے چلے جا رہے ہیں، تو جیسے ہی خطا ہوئی اور حق تعالیٰ کے سامنے اعترافِ خطا اور توبہ ہوئی تو حق تعالیٰ کی عطا ہوئی، کرم ہوا، قربِ حق نصیب ہوا! کس قدر اقربیت ہے کہ یہاں ذنوب جدا نہیں ہو رہے، معصیتیں الگ نہیں ہو رہیں، اعتراف کرتے ہی توبہ کرتے ہی قربِ الٰہی کا حصول ہو رہا ہے، رضائے الٰہیہ حاصل ہو رہی ہے اور قرب ورضا کے سوا منزل کیا ہے! اس سے زیادہ اقربیت منزل کی کیا ہوسکتی ہے کہ خطا ومعصیت نے حق تعالیٰ سے جدا کیا، اعتراف وتوبہ سے پھر واصل ہوگئے، اِدھر معصیت فراق کا باعث بنی، اُدھر اعتراف وتوبہ وصال کا سبب!

''اسہل'' اس لیے کہ اس میں نہ کوئی لمبے چوڑے مجاہدے ہیں، نہ کوئی مراقبات واَشغال میں سے گزارا جا رہا ہے، صرف زبان سے بلکہ زبان سے بھی نہ کہے تو دل میں ہی اعتراف اور توبہ سے منزل یاب ہو رہے ہیں۔

''اسلم'' اس لیے کہ اس راہ میں کوئی خطرات، کوئی گمراہیوں کا گزر نہیں ہے، جیسے اس راہ میں گوناگوں قسم کے خطرات سالکین کو پیش آتے ہیں اور نفس وشیطان کی فریب کاریوں اور دھوکہ دہیوں کا سامنا ہوتا رہتا ہے اور کتنوں کیسوں کو قعرِ مَذلّت اور قعرِ مُضِلّت میں گرایا جاتا ہے اور اب بھی گرایا جا رہا ہے، اس کے برعکس رہروانِ طریقِ اعترافِ خطا وقصور والوں کو ان کی معصیتوں، ندامتوں اور شرمندگیوں کے بوجھ نے ہی ان کے دعووں کے پندار کی گردن توڑ رکھی ہے اور فنائیت نقدا نقد حاصل ہے۔ حضرتِ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نورانی حجابات، ظلمانی حجابات سے اشد ہیں۔ یہ ظلمانی حجابات تارِ عنکبوت ہیں، اعتراف وتوبہ کی جنبش سے عنکبوتی حجاباتِ ظلمانیہ رفع ہوجاتے ہیں اور ''وجہُ اللہ'' پیشِ نظر!

نورانی حجابات کی دبیز یت

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ: ’’ایک صوفی کو نور منکشف ہوا اور وہ اسے نورِ الٰہی سمجھ کر کئی برس تک اس کی عبادت میں مشغول رہا، جب بعد میں اس پر یہ کھلا کہ یہ تو اس کی اپنی روح کا نور تھا تو پھر توبہ واستغفار میں مشغول رہا!‘‘ اگرچہ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسا Litmus Test لکھا ہے، جس سے حق و باطل میں رحمانی وشیطانی خطرات میں امتیاز ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ ایسے کسی انکشاف کے بعد نفس کی حالت پر غور کرے کہ عجز وانکسار غالب آتا ہے یا عجب و پندار! ’’ناز‘‘ کی حالت ہوتی ہے یا ’’نیاز‘‘ کی! اگر ’’نیازمندی‘‘ کی حالت پیدا ہو تو ٹھیک، وگرنہ اُسے دھوکہ خیال کرے، لیکن اس امتیازِ انکسار و پندار میں بھی اگر دھوکہ کھا گیا تو پھر!

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حذاقتِ طبِ روحانی

بیسویں صدی میں حق تعالیٰ نے برصغیر کو ایک ایسی ہستی سے نوازا جس کی نگاہِ دُوربیں وباریک بیں نے وہ کچھ دیکھا جو بہت کم کی نظر میں آیا اور صرف خود ہی نہیں دیکھا، بلکہ اصلاحِ نفس وقلب کے اصولوں کی صورت، شکل میں ایسے دُوربینی وباریک بینی شیشے عنایت فرمائے جن کو لگا کر کم بیں بھی اس منظر کو دیکھ سکتے ہیں جسے وہ مجدد الملت والدین جس کی نگاہ ’’یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللہِ‘‘ کی حقیقت وعظمت پائے ہوئے تھی، اپنی نگاہِ روشن سے بے غبار دیکھ رہا تھا، ان کی اس بات پر سر دھنیے فرمایا کہ:

> ’’اگرچہ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حق و باطل میں امتیاز کا ایک طریق لکھا ہے، لیکن تمہیں اس میں بھی دھوکہ دیا جاسکتا ہے، اس لیے تم بس ’’لَا‘‘ ہی پھیرنا، نفی ہی کرتے جانا، کسی بھی ایسی شے میں مشغول نہ ہونا!‘‘

اس بات کی قدر دانی وہی کرسکتا ہے جو اس راہ کے خوب رُو اور دلکشا ورعنا دھوکوں سے واقف ہے کہ کس قدر بھیس بدل بدل کر شیطانی نفسانی دھوکوں کا سامنا ہوتا رہتا ہے! أعاذنا اللہ تعالٰی.

یعنی جو اَنوار کے دھوکے میں ڈال سکتا ہے تو کیا عجز وانکسار کے دھوکے میں نہیں ڈال سکتا!

اس بات سے یہ ثابت ہوگیا کہ اس راستے میں خطرات ہیں اور جس راستے کو یہاں بیان کیا جارہا ہے وہ ان خطرات سے خالی ہے، کیونکہ اس راہ میں شکستگی ہی شکستگی ہے، جو مشکل ہی کسی دھوکہ کو راہ پانے دیتی ہے۔

قربِ الٰہی کے طریقوں کی تین انواع اور اصولِ توبہ وندامت

شیخ زکریا بن محمد الانصاریؒ ’’الفتوحات الإلٰهية‘‘ میں رقم طراز ہیں کہ ’’قربِ الٰہی کے طریقے اگرچہ بہت سے ہیں، لیکن ہم انہیں تین انواع میں تقسیم کرسکتے ہیں:

’’پہلا طریقہ: اربابِ معاملات کا ہے، جس میں کثرتِ صوم وصلوٰۃ اور تلاوتِ قرآن وغیرہ ظاہری اعمال کی کثرت ہے اور یہ لوگ ’’اخیار‘‘ کہلاتے ہیں۔

دوسرا طریقہ: اربابِ مجاہدات کا ہے، ان کے ہاں اخلاق کی تحسین، نفس کا تزکیہ، قلب کا تصفیہ اور جن امور کا باطن کی درستی وتعمیر سے تعلق ہو، ان کے لیے کوشش کرنا ہے اور یہ حضرات ’’ابرار‘‘ کہلاتے ہیں۔

تیسرا طریقہ: طريق السائرين إلى الله (یعنی اللہ کی طرف ہمیشہ سیر وسلوک میں مشغول رہنے والوں کا ہے) اور یہ لوگ اہلِ محبت میں سے ہیں اور ’’شطار‘‘ کہلاتے ہیں۔ یہ طریقہ دس اصولوں پر منحصر ہے، ان دس اصولوں میں سے پہلا اصول توبہ یعنی ندامت ہے۔

اس کی تکمیل (نفسانیت کو) جڑ سے اُکھاڑ دینے پر ہوتی ہے۔‘‘

ہمارا مقصود تیسرے طریقہ کے اس پہلے اصول کے متعلق ہے جو توبہ یعنی ندامت ہے۔ اس طریقِ اعترافِ قصور میں بھی نفسانیت کی جڑ کٹ جاتی ہے، اگر اُمُّ الرَّذائل کبر ہے تو اُمُّ الفضائل عجز و انکسارِ صادق ہے۔

احوالِ انبیاء کرام علیہم السلام

❶ -حضرت آدم علیہ السلام کا اسوۂ اعترافِ خطا وقصور

انسان ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کی تخلیق اپنے ہاتھوں سے کی اور اس خاکی پتلے میں ’’وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ‘‘ سے حیات پھونکی۔ اُسے ’’علم اسماء کلہا‘‘ سے مزیّن کرکے ملائکہ کے سامنے پیش کیا اور ملائکہ سے علمِ اسماء کے متعلق استفسار کیا، جواب سے عاجز ملائکہ، ’’لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا‘‘ کہہ کے عدمِ علم کے معترف ہوئے تو آدم علیہ السلام نے بتایا جو انہیں ’’الْعَلِيْم‘‘ نے سکھایا تھا۔ ملائکہ کو سجدہ ریزی کا حکم صادر ہوا، سب سجدہ ریز ہوئے إلا إبليس۔ خلافتِ ارضی کے لیے چُنیدہ آدم (علیہ السلام) سے خطائے اجتہادی ہوئی اور جنت سے خروج ہوا۔

حکمِ ’’ہبط‘‘ آدم کو بھی ملا اور ابلیس کو بھی، لیکن آدم علیہ السلام کو ملا ’’خليفة الله في الأرض‘‘ اور ’’کَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ‘‘ جیسی عظمتوں کے ساتھ اور ابلیس کو ملا ’’لَعْنَتِيْٓ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ‘‘ اور ’’إِنَّكَ رَجِيْمٌ‘‘ کی ذلتوں کے ساتھ، یعنی آدم علیہ السلام اُترے ’’خلافتِ ارضی‘‘ اور ’’کرّمیّت‘‘ کے ساتھ اور ابلیس اُترا ’’لعنتِ ابدی‘‘ اور ’’رجیمیّت‘‘ کے ساتھ۔

ایک خطا آدم علیہ السلام کی اور ایک خطا ابلیس کی اور صدورِ نفسِ خطا میں دونوں ظاہراً مشترک، ناں کہ

حقیقتاً، لیکن ایک کو اجتبائیت اور کرّمیّت سے نوازا گیا اور ایک کو ''لَعْنَتِيْ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ'' کا مژدہ سنایا گیا۔ اُس کا سبب سوائے اس کے کیا تھا کہ ''آدم'' کا ''آدمی طرزِ عمل'' تھا، یعنی اعترافِ قصور، جس کا اظہار کیا ''رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا'' کہہ کر اور ''ابلیس'' کا ''ابلیسی طرزِ عمل'' تھا جس کا اظہار کیا ''أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ'' کہہ کر۔ ایک تو عدمِ اعترافِ قصور اور اس پر مستزاد یہ کہ ''أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ'' کے بعد مصداق بنا ''ایک کریلا اور دوسرا نیم چڑھا'' کا۔ ایک راہِ محبوبیتِ الٰہیہ ہے اور ایک راہِ مغضوبیتِ الٰہیہ۔ خطائے آدم پر تو انسان کی نگاہ جاتی ہے، لیکن اُس سے آگے نہیں بڑھ پاتی، جہاں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ: ''عَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى''، اس سے اگلی آیت میں یہ بھی تو فرمایا ہے کہ: ''ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى''

دیکھیے! حق تعالیٰ معصیتِ آدم کے بعد اجتبائیتِ آدم کا ذکر فرما رہے ہیں اور فسقِ ابلیس کے بعد رجیمیّتِ ابلیس کا ذکر فرما رہے ہیں۔ ''عَصٰى'' اور ''غَوٰى'' تو بنی آدم کے خمیر میں ہے، لیکن اجتبائیت کی راہ ''عَصٰى'' اور ''غَوٰى'' کو کچلنے سے نہیں، بلکہ ''رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا'' کے اعتراف سے کھلتی ہے اور رجیمیّت کی راہ ''أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ'' اور ''أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ'' سے ہموار ہوتی ہے۔

اگرچہ خطا تو دونوں مشترک ہیں تو کون سی ایسی بات ہے جس کی بدولت دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، وہ بات ہی اصلِ بندگی ہے، وہی کیمیا ہے قلوب کی، وہی نسخۂ جراحتِ دل ہے۔ وہ ''کیمیا'' وہ ''نسخہ'' ہے: اعترافِ قصور، اعترافِ ذنوب، اعترافِ نقص، اعترافِ تقصیر اور اعترافِ خطا کا۔

دیکھیے! حق تعالیٰ نے فرعون کے لیے ''إِنَّهٗ طَغٰى'' فرمایا اور آدم علیہ السلام کے لیے ''فَغَوٰى'' وہاں ''فَغَوٰى'' کے بعد ''اجتبائیت'' ہے، لیکن اُس کے بیچ اعترافِ قصور وذنوب بھی ہے جو سبب ہے اجتبائیت کا اور فرعون کے معاملہ میں ''طَغٰى'' ہی ''طَغٰى'' ہے، بیچ میں کہیں اعترافِ قصور وذنوب نام کو بھی نہیں ہے، اسی لیے ''اجتبائیّت'' کی جگہ ''غرقیّت'' ہے۔

جہاں تک معصیت کا تعلق ہے تو ذوقِ معصیت تو انسان کے خمیر میں ہے جس کا اظہار ''كُلُّهُمْ خَطَّاؤُوْنَ'' کہہ کر کر دیا گیا تو مسئلہ بنی آدم ''خطا'' نہیں، ''قصور'' نہیں، بلکہ عدمِ اعترافِ خطا وقصور ہے۔ خطائیں تو ہم سے ہوتی ہی رہیں گی تو اعترافِ خطا وقصور کر کے ہم کیوں ناں حق تعالیٰ کے ہاں اجتبائیت اور محبوبیت کا درجہ پالیں۔ آج بھی حق تعالیٰ وہی کے وہی ہیں، وہ بدلے نہیں ہیں، ''لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا'' کا وعدۂ الٰہی ہے، جس کا تخلّف محال ہے۔

❷- حضرت یونس علیہ السلام کا اسوۂ اعترافِ خطا وقصور

حضرت یونس علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو بت پرستی سے روکا اور حق کی طرف بلایا، لیکن اُن کا عناد و تمرُّد بڑھتا ہی رہا تو بددعا کی اور اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے اور قوم نے جب عذاب کے آثار دیکھے تو تمام

بستی والوں نے دل سے توبہ کی اور بت توڑ ڈالے اور حضرت یونس (علیہ السلام) کو ڈھونڈا، لیکن نہ ملے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ:

''پس چونکہ اس فرار کو انہوں نے اجتہادِ جائز سمجھا، اس لیے انتظارِ نص اور وحی کا نہ کیا، لیکن چونکہ امیدِ وحی کا انتظار انبیاء کے لیے مناسب ہے، اس ترکِ مناسب پر اُن کو یہ ابتلا پیش آیا، راہ میں ان کو کوئی دریا ملا، اور وہاں کشتی میں سوار ہوئے، کشتی چلتے چلتے رک گئی، یونس (علیہ السلام) سمجھ گئے کہ میرا یہ فرارِ بلا اذن ناپسند ہوا، اس کی وجہ سے کشتی رکی، کشتی والوں سے فرمایا کہ: مجھ کو دریا میں ڈال دو، وہ راضی نہ ہوئے، غرض قرعہ پر اتفاق ہوا، تب بھی ان ہی کا نام نکلا، آخر اُن کو دریا میں ڈال دیا اور خدا کے حکم سے ان کو ایک مچھلی نگل گئی۔''

اس واقعہ میں غور طلب پہلو یہ ہے کہ جب کشتی رکی تو نبیِ وقت ہوکر بھی یہ احساس بیدار ہوا کہ یہ قوم کو چھوڑ کر آنا درست نہیں تھا، یہ میری خطا کی وجہ سے کشتی رک رہی ہے اور قرعہ ڈال کر بھی جب آپ ہی کا نام نکلا تو دریا میں ڈال دیے گئے۔ ہم معصیتوں میں گھر کر ہمہ وقت معصیت کوشیوں کے باوجود خود کو کبھی قصوروار خیال نہ کریں اور وہ معصوم عن الخطا ہوکر بھی ایک ایسی بات جو مناسب نہ تھی، اسے اپنی خطا صرف سمجھا ہی نہیں، بلکہ اس کا اعتراف بھی کیا:

''فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ''

حضرت یونس علیہ السلام زبانِ حال سے جس مفہوم کو ادا کر رہے تھے، حق تعالیٰ نے زبانِ قال سے وہ الفاظ کہلوادیے۔ سبحان اللہ! کیا پیغمبرانہ شانِ عبدیت ہے! بندہ ہونے کا مطلب، بندگی کا مفہوم، بندہ پن کسے کہتے ہیں، کیسے طرز و اندازِ یونس علیہ السلام سے مبرہن و روشن ہے! انبیاء کاملین کے ساتھ اگر ایسے معاملات نہ ہوتے تو ہم ناقصین کو مفہومِ بندگی کیا سمجھ آتا! غیر سلیم قلوب کے لیے ایسے واقعات کو سمجھنا کس قدر مشکل ہے اور قلبِ سلیم والوں کو انہی واقعات سے کیسی لذّت، کیسا کیف و سرور، کیسا نشاط ہوتا ہے! کتنے کیسے عقدے وا ہوتے اور کیسے کتنے راز بے نقاب ہوتے ہیں! شعور و احساسِ خطا بھی پورا ہے اور اعترافِ خطا بھی! اکثر اوقات ہمیں بھی احساسِ خطا ہوجاتا ہے، لیکن ایک ایسا نفسانی مانع آڑے آجاتا ہے کہ ''احساس'' سے ''اعتراف'' تک کا سفر طے نہیں ہو پاتا!

③ - مسلک و مشربِ یوسفی علیہ السلام

زلیخا نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف بلایا اور یوسف علیہ السلام نے اپنے دامن کو بچایا، لیکن اس بچ جانے پر بھی اپنے نفس کی نزاہت و عصمت ثابت کرنے کے بجائے ''وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ'' سے اپنے نفس کی براءت سے براءت کا اعلان کر رہے ہیں: ''اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ'' سے نفس کی حقیقت

سمجھا رہے ہیں اور ’’اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ‘‘ سے بچنے کی علت ظاہر فرما رہے ہیں۔

معصومین عن الخطا والوں کا اگر یہ معاملہ رہا تو کون، کیسا، کہاں رہا جو زبانِ حال سے یا زبانِ قال سے ’’اَنَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ‘‘ کا دعویٰ کرے!

4 - مشربِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کے مظہرِ اتم ومظہرِ کامل، بشری انسانی قالب میں کمالاتِ انسانی کی وہ بلندترین چوٹی کہ جس سے زیادہ انسانی عظمت و بلندی کا سوال ہی نہیں، جس ہستی کا مقامِ عالی یہ کہ ’’وَمَا یَفْعَلُ عَنِ الْھَوٰی‘‘ تو درکنار ’’وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی‘‘ کی سند پائے ہوئے ہیں، لیکن اسے یہ رنج وغم مستقل رہتا ہے کہ کوتاہیاں ہوئی ہیں اور غم بھی اس قدر کہ اس غم کا ایک ذرہ اگر ہمارے قلوب پر پڑ جائے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، اس غم کی ایک چھینٹ پڑ جائے تو قلوب جل کر راکھ ہو جائیں!

حق تعالیٰ نے اپنے محبوب عبدِ کامل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی واطمینان کے لیے یہ آیتِ مبارکہ اُتاری: ’’لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ‘‘

اس آیت میں لفظِ ’’ذنب‘‘ اپنے اندر کس قدر معنویت سموئے لپیٹے ہوئے ہے!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو جن پر ’’ذَنْب‘‘ کا اطلاق بھی نہیں ہوتا، کمالِ معرفتِ خداوندی اور کمالِ بندگی، کمالِ عشق سے انہیں بھی ’’ذَنْب‘‘ ہی خیال فرما رہے ہیں اور حق تعالیٰ کا کیسا تعلقِ خاطر ہے کہ فرمایا: (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جس کو ’’ذَنْب‘‘ خیال فرما رہے ہیں) ان سب اگلی پچھلی خطاؤں کو معاف کر دیا!

فرض نماز کی ادائیگی کے فوراً بعد اللہ اکبر، استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ فرمانے میں کیا اس بات کا اظہار نہیں کہ اے اللہ! آپ کی عظمت، آپ کی بڑائی بہت ہی زیادہ ہے اور ہم سے حقِ بندگی ادا نہ ہوا، اس پر معافیوں کے طلب گار ہیں! سبحان اللہ! ہر ہر قول، ہر ہر فعل سے عبدیتِ کاملہ مترشح ہو رہی ہے!

احوالِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تائیداتِ الٰہیہ اور صحبتِ نبوی کی برکت سے ایک خاص رنگ چڑھا ہوا تھا، ان تائیداتِ الٰہیہ وصحبتِ نبویہ کے باوصف جس رنگِ محمدی کے Shade کو اُن کی ذات وحیات میں جھلکتا ہوا دیکھنے والوں نے دیکھا اور جنہوں نے خود کو قصد وارادہ سے اندھا بنالیا تھا یا ان کی یرقان زدگی نے انہیں وہ رنگ دکھایا بھی تو کسی اور رنگ میں، وہ رنگ وہ لون تھا ’’رنگِ عبدیت‘‘، ’’رنگِ اعترافِ قصور‘‘ جو سراجاً منیرا صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے ہر صحابی رضی اللہ عنہ / صحابیہ رضی اللہ عنہا کی شخصیتوں کے شیشوں میں سے جھلکا جو اپنی اصل میں ’’واحد‘‘ اور ہر ایک کے شخصی Mould شاکلہ کی وجہ سے ’’کثیر‘‘ ہو گیا، نورِ واحد مختلف رنگ کے شیشوں میں سے منعکس ہو کر ’’کثیر‘‘ شکلوں میں

ظاہر ہوا، اس رنگِ اعترافِ قصور کے اظہار کے لیے صرف چند باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں:

①-حضرت عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت

مسند احمد کی ایک صحیح حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی حضرت عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو جو نصیحتیں فرمائیں، اس میں ایک نصیحت یہ بھی موجود ہے: ''وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ'' اپنی خطا پر روؤ، آنسو بہاؤ۔ یہاں رونے اور آنسو بہانے سے مراد ندامت وشرمندگی ہے اپنی خطاؤں معصیتوں پر!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو مختلف مواقع پر مختلف پیرائے میں نصیحتیں وصیتیں فرمائی ہیں، ان میں بے شمار اسرار و رموز ہیں، بہرکیف! یہاں اس کا موقع نہیں ہے، عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو کی گئی نصائح میں یہ جو ایک نصیحت ''وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ'' ہے، یہی میرا موضوع ہے کہ حق تعالیٰ تک پہنچنے کا ایک راستہ ایک طریق ایک شاہراہ ''وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ'' سے بھی کھلتی ہے اور بہتوں کے لیے یہ راہ اسی طرح کھلتی رہی ہے۔

②-اعترافِ قصور والوں کے لیے بشارتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس آدمی کے لیے خوشخبری ہو جس نے اپنی زبان کو قابو میں رکھا، اور اس کے گھر نے اس کو سموئے رکھا اور وہ اپنی خطاؤں (وگناہوں) پر رویا (یعنی شرمندہ ہوا): ''وَبَكٰى عَلٰى خَطِيْئَتِهٖ''

③-حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا وصال کے وقت اعترافِ قصور

مسند احمد ہی کی ایک اور حدیث میں ایک صحابی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے وصال کا جو واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے دیکھا کہ والد پر ایک شدید گھبراہٹ طاری ہے: جَزَعًا شَدِيْدًا، بیٹے نے دریافت کیا کہ: مَا هٰذَا الْجَزَعُ؟ یہ گھبراہٹ اور پریشانی کیسی؟ آپ کو تو یہ مقام ومرتبہ حاصل رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنے قریب بٹھاتے اور مختلف علاقوں میں عامل بنا کر بھیجا کرتے تھے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''اَيْ بُنَيَّ! قَدْ كَانَ ذٰلِكَ'' بیٹے! یہ سب کچھ ہوتا رہا، اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ آپ کا میرے ساتھ یہ تعلق مجھ سے محبت کی وجہ سے تھا یا میری تالیفِ قلبی کے لیے تھا: ''اِنِّيْ وَاللهِ مَا اَدْرِيْ اَحُبًّا ذٰلِكَ كَانَ اَمْ تَاَلُّفًا يَتَاَلَّفُنِيْ.''

حدیث کے آخر میں یہ فرمایا کہ: ''اَللّٰهُمَّ اَمَرْتَنَا فَتَرَكْنَا'' یا اللہ! تو نے ہمیں حکم دیے، ہم نے ان کی پرواہ نہ کی اور ''نَهَيْتَنَا فَرَكِبْنَا'' تو نے ہمیں بہت سے کاموں سے روکا، مگر ہم ان کا ارتکاب کرتے رہے، ''لَا يَسَعُنَا اِلَّا مَغْفِرَتُكَ'' ہم تو تیری مغفرت ہی کے اُمیدوار اور طلب گار ہیں۔ یہی کہتے ہوئے اور اسی حالت میں وہ انتقال کر گئے۔

④-حضرت ابوذرغفاری رضی اللہ عنہ ملائکہ کے درمیان مشہور

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر تھے کہ اچانک حضرت ابوذرغفاری رضی اللہ عنہ آتے ہوئے دکھائی دیے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! هٰذَا اَبُوْذَرٍّ قَدْ اَقْبَلَ '' یہ جو آرہے ہیں ابوذرغفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَوَ تَعْرِفُوْنَهٗ؟ '' کیا آپ ان کو جانتے ہیں؟ آپ تو آسمانی مخلوق ہیں، مدینہ کے لوگوں کو آپ کیسے جان گئے؟ ابوذرغفاری رضی اللہ عنہ کو آپ نے کیسے پہچان لیا؟ عرض کیا: ''هُوَ اَشْهَرُ عِنْدَنَا مِنْهُ عِنْدَكُمْ '' مدینہ میں ان کی جتنی شہرت ہے، اس سے زیادہ یہ آسمان میں ہم فرشتوں کے درمیان مشہور ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بِمَا ذَا نَالَ هٰذِهِ الْفَضِيْلَةَ؟ '' یہ فضیلت ان کو کیسے ملی؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ: ان کو یہ فضیلت دو اعمال سے ملی ہے، ایک تو یہ ''لِصِغَرِهٖ فِيْ نَفْسِهٖ '' یہ دل میں اپنے کو بہت حقیر سمجھتے ہیں۔ دوسرا عمل ان کا یہ ہے: ''وَكَثْرَةِ قِرَاءَتِهٖ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ '' کہ یہ ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ '' (سورۂ اخلاص) کی تلاوت بہت کرتے ہیں۔(التفسیر الکبیر للرازي، منقول از علاجِ کبر لمولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

احوالِ صوفیاء رحمۃ اللہ علیہم

①-حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوگ بارش کی دعا کروانے حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا: اس بستی میں جو بارش نہیں ہورہی، وہ میری ہی بداعمالیوں کی وجہ سے نہیں ہورہی، اگر میں بستی سے نکل جاؤں گا تو بارش ہوجائے گی اور وہ بزرگ بستی سے باہر نکلے اور بارش شروع ہوگئی۔

②-حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مقامِ عبدیت

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تھے، کسی نے اعلان کیا کہ اس مسجد میں جو سب سے زیادہ نالائق، بدترین، گناہ گار اور برا انسان ہو، وہ جلدی سے مسجد سے باہر آجائے۔اس مسجد میں جتنے نمازی تھے، ان میں جو سب سے بڑے بزرگ تھے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے وہ باہر آکر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ تمام مسلمانوں میں میں ہی بدترین مسلمان ہوں۔

③-حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک حافظ مدرس کا مقام

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک حافظ جی مدرسے کے بچوں کو پڑھاتے تھے اور

جب کبھی بچوں کو مار پیٹ کر لیتے تو فوراً ہاتھ جوڑ کر معافی خواہ ہوجاتے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ یہ حافظ جی ہمیں دے دیجیے، ہم انہیں اپنے ساتھ لے جائیں، وہاں یہ پڑھائیں تو حضرت نے فرمایا: ایک ہی تو مسلمان ہے میرے پاس، وہ بھی تمہیں دے دوں!

④-ایک بزرگ کا حال

ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ: میں اپنی معصیتوں کا اثر اپنی بیوی، غلام اور گھوڑے کے اخلاق میں محسوس کرتا ہوں۔

⑤-ایک بزرگ کی نسبتِ عبدیت

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ایک بزرگ جب ٹرین میں سوار ہوتے تھے تو حق تعالیٰ سے یہ دعا مانگتے تھے کہ: میری بداعمالیوں کی نحوست کی وجہ سے یہ ٹرین حادثہ کا شکار نہ ہوجائے۔

⑥حضرت سید کبیر احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات

سید کبیر احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں سے ہیں اور رفاعیہ سلسلہ حضرتؒ سے ہی منسوب ہے۔ حضرتؒ نے صوفیاء کے جس گروہ کو سب پر ترجیح دی ہے، وہ ذلت و انکسار والوں کا گروہ ہے اور یہی وہ راستہ ہے جو ہمارے نزدیک ''اسہل'' و''اقرب'' و''اسلم'' ہونے کی تینوں خصوصیات (Qualifications) کا حامل ہے!

حضرتؒ نے اپنی کتاب ''البنیان المشید'' (مترجم مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ) میں فرمایا کہ:

''اے بزرگو! (صوفیاء کی) جماعتیں آج کل مختلف پارٹیاں بن گئی ہیں (کوئی اپنے کو صاحبِ حالات کہتی ہے، کوئی صاحب مقامات بتلاتی ہے، کوئی وحدۃ الوجود کا دم بھرتی ہے، کوئی فناء و بقاوغیرہ کا) مگر یہ ناچیز احمد (رفاعیؒ) تو ذلت وانکسار والوں اور مسکنت اور بے قراری والوں کے ساتھ رہے گا، (مجھے) اس کے سوا کچھ پسند نہیں۔

هنيئاً لأرباب النعيم نعيمهم و للعاشق المسكين مايتجرعُ

''دولت والوں کو ان کی دولت مبارک ہو اور عاشقِ مسکین کو ذلت و مسکنت کے تلخ گھونٹ مبارک ہوں۔''

اس راہِ اعترافِ خطا وقصور پر چلنے والوں کی حالتِ باطنی جن احوال سے رنگین رہتی ہے، اسی جانب اشارہ حضرت سید کبیر احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا کہ:

''میرا حشر فرعون وہامان وقارون کے ساتھ ہو، اور مجھے وہی عذاب پکڑے جس نے ان کو پکڑا

تھا، اگر میرے دل میں یہ خطرہ بھی آئے کہ میں اس جماعت کا شیخ ہوں، یا ان کا سردار ہوں، یا مجھے اس بات کا وسوسہ بھی آئے کہ میں ان ہی میں سے ایک درویش ہوں، بھلا ان باتوں کی طرف اس شخص کا نفس کیونکر بلاسکتا ہے جو لا شئے ہے، (کچھ نہیں) کسی کام کے قابل نہیں، کسی گنتی اور شمار میں نہیں۔‘‘

حضرت سید کبیر احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے حق تعالیٰ کی بندے سے محبت کی علامات میں سے ایک بڑی علامت اپنے عیوب کا استحضار اور اپنی کم حیثیتی پر نگاہ ہونا بیان فرمایا ہے، جیسا کہ رقم طراز ہیں کہ:

’’اللہ تعالیٰ جس بندہ سے محبت کرتے ہیں، اُس کو وہ عیوب دکھلا دیتے ہیں جو خود اس کے اندر ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس بندہ سے محبت کرتے ہیں، اس کے دل میں تمام مخلوقات کی محبت وشفقت پیدا کردیتے ہیں، اس کے ہاتھ کو سخاوت کا عادی بنا دیتے ہیں اور اس کے نفس میں بلند ہمتی (اور چشم پوشی) پیدا کردیتے ہیں اور اپنے عیوب پر نظر کرنے کی توفیق دیتے ہیں، یہاں تک کہ اپنے کو سب سے کم دیکھنے لگے اور کسی قابل نہ سمجھے۔‘‘

سید کبیر احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی طریقِ اعترافِ خطا وقصور یا طریقِ ذلت وانکسار ہی کو حق تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ قریب، روشن اور محبوب راستہ سمجھا اور سمجھایا ہے، جیسا کہ فرمایا:

’’(دوستو!) میں نے اپنی جان کھپادی اور کوئی راستہ ایسا نہیں چھوڑا جس کو طے نہ کیا ہو، اور صدقِ نیت اور مجاہدہ کی برکت سے اس کا صحیح (راستہ) ہونا معلوم نہ کرلیا ہو، مگر سنتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے، اور ذلت وانکسار والوں کے اخلاق پر چلنے، اور سراپا حیرت واحتیاج بننے سے زیادہ کسی راستہ کو بہت قریب اور زیادہ روشن اور (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) زیادہ محبوب نہیں پایا۔

صدیقِ اکبر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے تک پہنچنے کا ذریعہ عاجزی کے سوا کچھ نہیں بنایا (کیونکہ عاجزی تو ہر شخص آسانی سے حاصل کرسکتا ہے، انسان تو سر سے پیر تک عاجز ہی ہے، اگر اور کوئی طریقہ اللہ تک پہنچنے کا اس کے سوا ہوتا تو مشکل پڑ جاتی، اللہ تعالیٰ کے پانے سے اپنی عاجزی (اور کمزوری) کو سمجھ لینا ہی اللہ تعالیٰ کا پالینا ہے۔

بزرگو! میں نے کوئی مشکل راستہ اور سہل طریقہ نہیں چھوڑا جس کے پردے نہ کھولے ہوں اور لشکرِ ہمت کے ہاتھوں سے اس کے بادبان نہ اُٹھادیے ہوں، میں نے ہر دروازہ سے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنا چاہا، مگر ہر دروازہ پر بہت زیادہ ہجوم پایا، تو میں ذلت وانکسار کے دروازہ سے پہنچا، اس کو میں نے خالی پایا، اور اسی سے واصل ہوکر اپنے مطلوب کو پالیا، دوسرے طالب

(ابھی تک) دروازوں ہی پر کھڑے تھے، (کسی کو دربار تک رسائی نصیب نہ ہوئی تھی) مجھے میرے پروردگار نے اپنے فضل وعطاء سے وہ دیا، جس کو اس زمانہ میں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی بشر کے دل پر اس کا خیال گزرا۔‘‘

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودہ الوانِ نسبت کا حصول

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نسبتوں کی کئی ایک قسمیں ’’ہمعات‘‘ میں لکھی ہیں، جیسے نسبتِ طہارت، نسبتِ عشق اور نسبتِ سکینہ، وغیرہ۔ ان نسبتوں کے متعلق یہ فرمایا کہ: یہ نسبتیں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں، یعنی ایک نسبت کے حصول سے اس کے ضمن میں ہی دوسری نسبتیں بھی اس میں بیدار ہوجاتی ہیں۔

’’نسبتِ اعترافِ قصور‘‘ یا ’’نسبتِ عبدیت‘‘

راقم آثم کے نزدیک اس نسبت کا نام ’’نسبتِ اعترافِ قصور‘‘ رکھ لیں، ’’نسبتِ عبدیت‘‘ کہہ لیں، عنوان چاہے کسی قدر مختلف ہوں، معنون ایک ہی ہے۔ بقول شخصے:

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَ حُسْنُكَ وَاحِدٌ
وَ كُلٌّ إِلٰى ذَاكَ الْجَمَالِ يُشِيْرُ

اس نسبت کے حصول سے باقی ساری نسبتیں اس کے ضمن میں حاصل ہوجائیں گی، اگرچہ غلبہ کسی ایک نسبت کو ہو!

اس نسبت کی علامات کیا ہیں؟

❶- ایسے آدمی سے کبھی دعویٰ نہیں سنا جاتا اور اگر کبھی کسی پوشیدہ حالت کا اظہار ہوجائے یا دعویٰ منہ سے نکل جائے تو خلوت میں فوراً مالک کے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافیوں میں مشغول ہوجاتا ہے۔

❷- بعض صوفیاء سے جیسے کرامات کا صدور ہوتا ہے اور کثرتِ خلق کو برکات کا مشاہدہ ہوتا ہے، لیکن ایسے شخص کو برکت تو درکنار اپنی نحوست کا ایسا یقین ہوتا ہے کہ دل کبھی بھی اپنی کسی برکت، کرامت کے متعلق بات پر یقین نہیں کرتا اور اس کی وجہ کفرانِ نعمت نہیں، بلکہ اس حالت کا غلبہ ہے۔

❸- ایسے اشخاص حق تعالیٰ سے دعاؤں میں اپنی بداعمالیوں کی نحوست سے مخلوقِ خدا کو بچائے رکھنے کی التجاؤں میں مشغول رہتے ہیں اور یہ اُن کی عارضی حالت نہیں، بلکہ مستقل حالت رہتی ہے۔

❹- اگر ان کے کسی متعلق پر کوئی مصیبت یا آزمائش آتی ہے تو یہ اسے صرف اور صرف اپنے اعمال کی نحوست کا شاخسانہ خیال ہی نہیں بلکہ یقین کیے ہوتے ہیں اور کوئی شے انہیں اس بات سے ہٹا نہیں

پاتی، کیونکہ یہ ان کا مستقل حال ہے۔

❺ - اگر اَنفُس یا آفاق میں کوئی بھی اختلال یا انتشار برپا ہوتا ہے، یہاں تک کہ سیاسی، معاشی، عائلی کسی بھی طرح کے حالات کی خرابی کو اپنے اعمال کی نحوست پر ہی محمول کرتے ہیں۔

❻ - انہیں کبھی کسی بھی شخص سے معافی مانگتے ہوئے عار نہیں آتی، یہاں تک کہ اپنے چھوٹوں سے، اپنے گھر والوں سے بھی معافی مانگتے ہوئے کوئی مصلحت ان کے درپیش نہیں ہوتی، بلکہ اس حال کا رسوخ انہیں ایسی مصلحتوں کی طرف التفات نہیں کرنے دیتا، یا اگر کبھی کوئی مصلحت ان کی توجہ اپنی جانب کھینچتی بھی ہے تو ان کا یہ حال اس پر غالب آکر رہتا ہے۔

❼ - ایسے اشخاص سے اگر کوئی بیعت کی درخواست کرتا ہے تو یہ اسے جلد بیعت کر لیتے ہیں، صرف اس وجہ سے کہ ان کی وجہ سے انہیں احتمالاً نہیں، بلکہ یقیناً برکات نصیب ہوں گی اور روزِ محشر معافی مل جائے گی۔

❽ - یہ عالمِ مکاشفہ میں اور خوابوں میں زیادہ تر اپنے آپ کو بری حالت میں ہی دیکھتے ہیں، کبھی انہیں حشر میں اپنا آپ جیسے انہیں گھسیٹ کر حق تعالیٰ کے سامنے مجرم کے طور پر لایا جا رہا ہے، یہ مشاہدہ یا اس قسم کے مشاہدات ہوتے رہتے ہیں۔

❾ - انہیں عجب و کبر پیدا نہیں ہو پاتا، کیونکہ پندار جہاں سے پھوٹتا ہے، یہ اُسے جڑ سے اکھیڑ چکے ہوتے ہیں۔

❿ - حق تعالیٰ کی جانب سے ان کی تسلیوں کا خوب سامان کیا جاتا ہے، وگرنہ ان کا کلیجہ اپنے عیوب و ذنوب کے استحضار کے بوجھ سے پھٹ جائے۔ اتنے تسلی آمیز الہامات اور بشارتوں کے باوجود انہیں کبھی عجب پیدا نہیں ہوتا۔

⓫ - یہ زیادہ تر قدمِ ابراہیم علیہ السلام پر ہوتے ہیں۔

⓬ - اگر کوئی شخص ان پر کوئی احسان کرتا ہے تو حق تعالیٰ کے سامنے ان کا گریہ و بکا اور بڑھ جاتا ہے، کیونکہ یہ اپنی حالت کو بدترین خیال کر رہے ہوتے ہیں اور کسی بھی طرح کے احسان کے خود کو لائق نہیں سمجھتے۔

⓭ - ان کی پہچان اس لیے بھی مشکل ہے کہ ان کے باطنی اعمال ظاہری اعمال سے زیادہ ہوتے ہیں۔

⓮ - ان میں سے زیادہ کی غالب حالت یہ رہتی ہے کہ گریہ و بکاء کا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور حق تعالیٰ کے سامنے خلوتوں میں خوب تڑپتے روتے ہیں۔

⓯ - ان کا حضور مع اللہ کامل ہوتا ہے۔

⓰ - حق تعالیٰ کی چھوٹی سے چھوٹی نعمت کا انہیں کامل استحضار رہتا ہے، جن نعمتوں کی طرف عمومی طور پر توجہ نہیں جاتی، انہیں ان کا بھی استحضار رہتا ہے۔

⑰ - یہ کبھی کسی کے لیے بد دعا نہیں کر پاتے، یہاں تک کہ اپنے دشمنوں کے لیے بھی نہیں، اگر چہ ان کی باطنی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اگر کبھی اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ضرور پورا کریں، لیکن انہیں کبھی بھی اپنی حالت پر بھروسا نہیں ہوتا۔

⑱ - حقیقتِ ''رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا'' ان پر روشن ہوجاتی ہے۔ کسی بھی غم، دکھ، تکلیف یا عذاب میں انہیں جیسے ہی حق تعالیٰ کی یاد آتی ہے، دھیان آتا ہے، غموں، دکھوں، عذابوں سے تمتمایا ہوا دل یکلخت خنک ہوجاتا ہے۔ ایک ایسا Soothing Effect نصیب ہوتا ہے جسے بیان کرنے کے لیے، جس کی تعبیر کے لیے الفاظ کا سہارا بے کار ہے!

اس نسبت کے حصول کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

① - بتکلف، بہ جبر اور زور زبردستی سے ہی سہی، ہر نماز کے بعد دعا میں حق تعالیٰ کے سامنے خوب روئے اپنی خطاؤں پر اور اگر رونا نہ آئے تو رونی صورت بنائے رکھے، تاکہ ظاہر کا اثر باطن پر ہو اور دل کی زمین نرم ہوکر حق تعالیٰ کی رحمت کی بارش کو خوب جذب کرلے۔

② - اَنفُس و آفاق میں، قومی، ملکی، عالمی سطح پر جس بھی طرح کے حالات کی اَبتری کا علم ہو، فوراً دل ہی دل میں اپنے اللہ کے سامنے اپنی خطاؤں کا معترف ہوکر خوب معافیاں مانگے اور جبر سے خود کو یہ باور کرائے کہ میرے وجود کی ناپاکی ہی ہر خرابی کی وجہ ہے۔

③ - حق تعالیٰ سے یہ دعا ضرور مانگتا رہے کہ میری بدعملیوں کی نحوستوں سے میرے متعلقین، گھر والوں اور دوست احباب کو بچائے رکھیں۔

④ - اپنے بھائیوں کے لیے غیب میں خوب حق تعالیٰ سے دعائیں مانگتے رہیں۔

⑤ - سورۂ فاتحہ سے خاص تعلق پیدا کرے، کیونکہ اسی دروازے سے قرآن کریم میں داخلہ ہوتا ہے۔ ساری فتوحاتِ قرآنیہ، سورۂ فاتحہ ہی سے ممکن ہوتی ہیں۔

ہر نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے دوران ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' پر خوب معنی کے استحضار کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر آگے بڑھے اور ہر اگلی آیت کے معنی کو خوب گہرا کر کے قلب میں سے اور اپنے پورے وجود میں سے گزارتا ہوا آگے بڑھتا رہے۔

⑥ - اگر دل میں کبھی کسی سے کوئی رنج پہنچنے کی وجہ سے تکدُّر یا وحشت یا نفرت کا اثر ہو، فوراً قلب سے ان اثرات کو کھرچیں، تاکہ وہ راسخ نہ ہو پائیں، وگرنہ یہ ایسا قوی مانع ہے کہ اس نسبت کو راسخ نہیں ہونے دے گا۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....